شاہ ولی اللہ کی سیاستِ عملی

عمر فاروق خان - ملک پور (مانسہرہ)

حضرت شاہ ولی اللہ جس دور میں پیدا ہوئے اور جس دور میں انہوں نے وفات پائی، وہ زوال پذیر جاگیرداری سماج کا دور تھا۔ یورپ اور ایشیا دونوں میں سوائے بادشاہوں کی حکومت کے اور کسی حکومت کا اب تک تصور عام نہیں ہوا تھا۔ البتہ برطانیہ میں ایک صنعتی انقلاب کی داغ بیل پڑ چکی تھی، اور سرمایہ داری بڑی سرعت سے ترقی کر رہی تھی۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد انقلاب فرانس ہوتا ہے، جس نے یورپ میں ایک زبردست تہلکہ ڈال دیا، اور پرانے پرانے بادشاہوں کے تخت ہل گئے۔ اسی زمانے میں امریکہ آزاد ہوتا ہے اور عہد حاضر کی پہلی جمہوریت جنم لیتی ہے

جہاں تک ایشیا کا تعلق تھا، وہاں اس قسم کی سماجی اور سیاسی تبدیلیوں کے ابھی کوئی آثار نہ تھے۔ اگرچہ جاگیرداری دور کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ اور جاگیرداروں اور بادشاہوں کے لئے لوگوں میں "حق نمک" کا جو روایتی احساس ہوتا تھا، وہ کمزور پڑ گیا تھا، لیکن اس کے باوجود بادشاہی اقتدار کا مصدر و منبع مانا جاتا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے تقریباً ایک سو سال بعد ۱۸۵۷ء میں جب برصغیر میں برطانوی تسلط کے خلاف مسلمان اور ہندو دونوں اٹھے، تو ان کے فوجی قائدین کی نظر بہ تقاضا قدرتی طور پر دہلی کے لال قلعہ کی طرف مرتکز ہوئیں اور انہوں نے بہادر شاہ کو سربراہِ اقتدار بنایا اور اس طرح اپنی "بغاوت" کے لئے ایک وجہ جواز پیدا کر لی۔ غرض ایشیا میں اس دور میں عوام کی حکومت کا تصور جیسا کہ اس وقت ہمارے ہاں ہے اور یورپ میں انقلاب فرانس کے بعد اس کا شعور ابھرنا شروع ہوا تھا، نہیں تھا۔ تمام سیاسی بحثوں کا مرکز بادشاہ ہی ہوتا تھا۔ البتہ اس سلسلہ میں اچھے اور برُے بادشاہ پر گفت گو ہوتی تھی۔

لامحالہ نظام سیاست پر بحث کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب کو بادشاہت ہی پر۔

گفت گو کرنا پڑی۔ تفہیمات میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں[1]

"فلو فرض ان یکون ھذا الرجل فی زمان واقتضت الاسباب
ان یکون اصلاح الناس باقامۃ الحروب ونفث فی قلبہ
اصلاحھم لقام ھذا الرجل بامر الحرب اتم قیام وکان
اماماً فی الحرب لا یقاس بالرستم والاسفندیار وغیرھما
طفیلیون علیہ مستمدون منہ مقتدون بہ۔"

ان حالات میں ضروری تھا کہ شاہ صاحب اپنے عہد کے سیاسی حالات کی اصلاح کے لئے مغل فرمانرواؤں ہی کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور انہیں مفاسد کو ختم کرنے کی تلقین فرماتے۔ اس سلسلے میں یہ امر بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ برصغیر کی تاریخ کا وہ انتہائی انارکی اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ اور اس پر صحیح معنوں میں یہ عام کہاوت صادق آتی ہے کہ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" ملک میں امن وامان مفقود تھا۔ باہر سے برابر حملے ہوتے تھے، اندرون ملک میں ایک گروہ دوسرے گروہ سے برسر جنگ تھا۔ لڑائیاں ہورہی تھیں۔ لوٹ مار ہر طرف بازار گرم تھا۔ نہ کسی کی عزت محفوظ تھی، نہ مال اور گھر، خاص طور پر ان سب سرکشوں اور غارتوں کا نشانہ مسلمان بن رہے تھے۔ شاہ ولی اللہ ایک حقیقت پسند عملی آدمی کی حیثیت سے ان خطرات و خدشات کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے انہوں نے سیاسی نظام کے بارے میں جو کچھ سوچا اور لکھا، اس تاریخی پس منظر کو ذہن میں رکھ کر

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات از خلیق احمد نظامی

(ترجمہ) "فرض کیجئے اگر یہ شخص اپنے زمانے میں ہوتا اور اسباب کا تقاضا یہ ہوتا کہ لوگوں کی اصلاح جنگوں ہی سے ہوسکتی اور اس شخص کے دل میں لوگوں کی اصلاح کا خیال ڈالا جاتا، تو یہ شخص جنگ کا بہترین انتظام کرتا اور جنگ کا وہی قائد وامام بھی ہوتا۔ رستم واسفندیار وغیرہ بھی اس کے مقابلے میں کیا تھے۔ وہ اس کے طفیلی ہوتے۔ اس سے مدد لیتے، اور اس کا اقتدار کرتے۔" ظاہر ہے اس شخص کا اشارہ شاہ صاحب کا خود اپنی طرف ہے، مطلب یہ ہے کہ اس زمانے میں اس طرح کی قیادت کا امکان نہیں، اور کام موجودہ قیادتوں ہی سے لینا ہوگا۔

اسی زمانے میں شاہ ولی اللہ کے معاصر شیخ محمد بن عبدالوہاب نے بھی جزیرۃ العرب میں اصلاح احوال کے لئے یہی طریقہ کار اختیار کیا اور اپنی دعوت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نجد کے ایک مشہور شیخ قبیلہ آل سعود کا تعاون حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ (مدیر)

سوچا اور لکھا۔ وہ مغلوں کے روایتی تخت کو ملک میں نئی نئی ابھرنے والی مسلم طاقتوں سے تقویت دے کر ایک تو مسلم اقتدار کی حفاظت کرنے کے خواہاں تھے، دوسرے وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح اور صرف اس طرح ملک میں امن وامان بحال ہو سکتا ہے۔ اور لوگوں کی جان آبرو اور ان کا گھر اور مال محفوظ رہ سکتا ہے۔ تفہیمات الٰہیہ میں بادشاہوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الملاء الاعلیٰ ان تنصبوا فی کلّ ناحیة و فی کل مسیرة ثلثة ایام او اربعة ایام امیراً عادلاً یاخذ للمظلوم حقه من الظالم و یقیم الحدود و یجتهد ان لا یحصل فیهم بغیٌ ولا قتال ولا ارتداد ولا کبیرة و یفشو الاسلام و تظهر شعائره و یاخذ بفرائضه کل احد و یکون لامیر کل بلدٍ شوکة یقدر بها علی اصلاح بلده ولا یکون له شوکة یتمتع بسببها و یعصی علی السلطان و ینصب علی کل اقلیم کبیراً امیراً یقلده القتال فقط یکون جمعه اثنا عشر الفاً من المجاهدین لا یخافون فی لومة لائمٍ یقاتلون کل باغٍ وعادٍ فاذا کان ذلک فرضا الملاء الاعلیٰ ان یفتش جندٍ من النظامات المنزلیة والعقود و نحوه حتی لا یکون شیءٌ الا موافق الشرع حتی یامن الناس من کل وجه (تفہیمات ص ۲۱۶)

تو اس کے بعد ملاء اعلیٰ کی مرضی یہ ہے کہ تم اے بادشاہو! ہر علاقے اور تین دن یا چار دن کی ہر مسافت پر ایک صاحب عدل امیر کو مقرر کرو، جو ظالم سے مظلوم کا حق لے سکتا ہو۔ شرعی حدود قائم کر سکتا ہو۔ وہ اس کی کوشش کرے کہ ان کی طرف سے پھر سرکشی اور فساد پیدا نہ ہو اور ارتداد اور کبیرہ کا ارتکاب نہ کر سکیں اسلام بالکل فاش اور علانیہ ہو جائے اس کے شعائر بالکل کھلم کھلا ظاہر ہوں، اور اپنے منصبی فرائض کو ہر شخص اختیار کرے۔ چاہیئے کہ ہر شہر کے امیر کے پاس اتنی قوت و شوکت ہو، جس کے ذریعہ سے وہ اپنے شہر کی اصلاح پر قابو پاسکے، مگر اتنی شوکت و قوت اس کے پاس نہ ہو کہ اس سے خود نفع اٹھانے لگے۔ اور بادشاہِ وقت سے سرکشی کرنے لگے۔ چاہیئے کہ ہر اقلیم (صوبہ) میں ایک بڑا امیر بھی مقرر ہو، جس کے ذمے فقط جنگ کی ذمہ داری عائد کی جائے۔ چاہیئے کہ اس کی فوجی جمعیت ایسے بارہ ہزار مجاہدوں کی ہو، جو اللہ کی راہ میں کسی ملامت سے خوف زدہ نہ ہوں۔ اور ہر سرکش باغی سے جنگ کر سکتے ہوں۔ جب یہ ہو چکے، تب چاہیئے کہ منزلی نظامات اور عقود و معاملات

کی جانچ کی جائے اور اسی قسم کی دوسری باتوں کی کہ کوئی بات ایسی نہ رہے جو شریعت کے مطابق نہ ہو۔ تاکہ لوگ ہر لحاظ سے امن و عافیت کی زندگی بسر کرنے لگیں[1] (یہاں حوالہ ختم ہوتا ہے)

ظاہر ہے اس طرح کی سیاسی تنظیم صرف مغل تخت ہی کے ارد گرد ہو سکتی تھی جو اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کی شاہی روایات کا حامل تھا اور لوگوں کی اس سے ایک گونہ وفاداری بھی تھی، جیسا کہ اس دور کے واقعات بتاتے ہیں چنانچہ سادات بارہہ، ترک و ایرانی سرداروں، مرہٹوں، روہیلوں اور آخر میں انگریزوں میں سے جس نے بھی دہلی پر تسلط حاصل کیا، اس نے یہ ضروری سمجھا کہ بادشاہ وقت کے سامنے خواہ ظاہرداری ہی سے سہی، باادب کھڑا ہو، اور اس سے سند و خلعت حاصل کرے، اس عہد میں کسی امارت کو قانونی جواز صرف اسی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔

مغل تخت اب تک جن پایوں پر کھڑا تھا۔ وہ ایک ایک کر کے ہٹتے جا رہے تھے۔ اسی کی وجہ سے مسلمان صوبہ دار بھی مائل سرکشی تھے اور غیر مسلم جتنے بھی شورشیں کر رہے تھے حضرت شاہ صاحب نے ایک طرف تو ماوراے دریائے سندھ کے افغانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور دوسری طرف روہیلوں کی مدد سے اس تخت کو استحکام دینے کی کوشش کی۔ یہ اجمال کچھ تفصیل چاہتا ہے، جسے یہاں مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔

جب محمود غزنوی اور اس کے بعد محمد غوری کے زمانے میں مسلمان افواج ہندوستان کی طرف بڑھی ہیں، تو سوائے راجپوتوں کے۔ اس سرزمین میں کوئی منظم گروہ ان کے سیلاب کو روکنے والا نہ تھا۔ بے شک راجپوت بڑے بہادر، لڑنے مرنے والے اور جان پر کھیل جانے والے تھے، لیکن ایک تو ان میں اتحاد و اتفاق نہ تھا۔ اور وہ آپس میں اس طرح بٹے ہوئے تھے کہ ایک دوسرے کی شکست سے خوش ہوتے؛ دوسرے ان کی فوجی تنظیم اور جنگی کارکردگی حملہ آور ترک مسلمانوں کے مقابلہ میں کمتر تھی۔ غلاموں، خلجیوں اور تغلقوں کے عہد میں ہندوستان کی تقریباً یہی سیاسی حالت رہی، لودھی پٹھان تھے اور پٹھان نہ صرف برصغیر کے مختلف علاقوں میں کافی بڑی تعداد میں آباد تھے، بلکہ دریائے سندھ سے پار ان کے مستقل علاقے تھے، جہاں ان کی غالب اکثریت تھی۔ اگرچہ پٹھانوں کی آپس کی پھوٹ اور بابر کے توپ خانہ کی وجہ سے ابراہیم لودھی جنگ پانی پت میں شکست کھا گیا۔ لیکن بابر کے بعد اس کے بیٹے ہمایوں کو پٹھانوں نے شیر شاہ سوری کے جھنڈے تلے جمع ہو کر نکال دیا۔ اور وہ ہندوستان کے فرمانروا بن گئے۔

---

[1] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات - از خلیق احمد نظامی

جب اکبر کو اپنے باپ اور دادا کا تخت دوبارہ ملا، تو اسے مغل سلطنت کی بنیادی کمزوری کا احساس ہوا۔ اس نے دیکھا کہ جن پٹھانوں سے اس نے تخت چھینا ہے، ان کی ہندوستان کے اندر بہت بڑی جمعیت ہے اور پھر ماورائے دریائے سندھ ان کی مستقل آبادیاں ہیں، تورانی سردار جو خاندان شاہی کی برادری کے اور اس کے دست و بازو ہیں، ان کی وفاداری مشکوک ہے۔ اور وہ کسی وقت بھی وہی سلوک اس سے کرنے سے گریز نہیں کرینگے، جس کا نشانہ اس کا باپ ہوچکا ہے۔ اس بنیادی کمزوری کی تلافی اس نے راجپوتوں اور ایرانی سرداروں کے ذریعہ کی۔ اور اس طرح وہ اکبر اعظم بنا، اور مغل سلطنت کو اتنی لمبی عمر نصیب ہوئی۔

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ایرانی اور تورانی سرداروں کی آپس میں سخت کش مکش شروع ہوگئی، راجپوت بھی مغل فرمانرواؤں سے زیادہ خوش نہ تھے پھر ان میں وہ پہلے کا سا دم خم بھی نہ رہا تھا۔ راجپوتوں کے بجائے اب ہندوؤں میں سے مرہٹے، جاٹ اور سکھ منظم ہوکر آگے آگئے تھے اور ان کی ترکتازیاں مغل سلطنت کے خلاف زور پکڑ رہی تھیں۔ ان حالات میں شاہ ولی اللہ صاحب نے سوچا، اور اس وقت ان کا ایسا سوچنا بالکل فطری تھا کہ ماورائے دریائے سندھ کے افغانوں[1] اور موجودہ شمالی یوپی میں آباد روہیلوں کی ابھرتی ہوئی نئی طاقت سے مدد لے کر مغلوں کے روایتی تخت و تاج کو مضبوط کیا جائے۔

احمد شاہ ابدالی کا عروج ایک لحاظ سے افغان قوم کا عروج تھا۔ "شروع میں وہ نادرشاہ کے سامنے بطور ایک جنگی قیدی کے پیش ہوا، نادرشاہ نے اسے اپنا مقرب بنالیا، اور جب نادرشاہ ایرانی سرداروں کے ہاتھ سے مارا گیا تو اس کے افغان دستوں نے اسے بادشاہ چن لیا۔" احمد شاہ بعض اعتبار سے اپنے عہد کے نہایت ہی ممتاز حکمرانوں میں سے تھا۔ اس کی صلاحیت جہانبانی، تدبر، عسکری لیاقت کا اعتراف اس کے مخالفین تک نے کیا ہے۔ اس نے اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائی اور افغان علاقے کو جو اس وقت چھوٹی چھوٹی منتشر ریاستوں پر مشتمل تھا۔ ایک مضبوط سیاسی سانچے میں ڈھال کر افغانستان کی شکل دی[2]۔

---

[1] موجودہ افغانستان تاریخ میں شروع ہی سے برصغیر کا ایک حصہ رہا ہے، اور نادرشاہ کے حملے تک تو کابل کا صوبہ مغل سلطنت کے ہی ماتحت تھا۔ شاہ صاحب کا ماورائے دریائے سندھ کے افغانوں کو حلیف بنانے کا یا اقدام ایک غیر ملکی طاقت سے متحلو سمجھنا غلطی ہے۔ پھر اُس زمانے میں "ملک و قوم" کے یہ تصورات ہی نہ تھے جن کی بنا پر آج اُس زمانے کے واقعات پر فتوے دیئے جاتے ہیں۔ (مدیر) [2] شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات۔ از خلیق احمد نظامی

خلیق احمد نظامی آگے لکھتے ہیں:۔ "احمد شاہ مذہبی رجحانات کا آدمی تھا۔ علماء ومشائخ کا ہجوم اس کے گرد رہتا تھا۔ پشاور، لاہور اور بٹالہ کے مشائخ کی خدمت میں وہ اکثر حاضر ہوا ہے ...... ہر جمعرات کی شب میں وہ علماء ومشائخ کو کھانے پر بلاتا تھا۔ اور مذہبی معاملات پر گفت گو کرتا تھا وہ خود نہایت پابند شرع سُنّی تھا۔ ان تمام مذہبی دلچسپیوں کے باوجود انتہائی غیر متعصب اور وسیع النظر تھا۔ اس کے ملک میں شیعہ، ہندو، عیسائی سب پوری مذہبی آزادی کے ساتھ رہتے تھے۔ افغانستان کی تجارت ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی۔ ایران کے شمالی علاقے سے نادر شاہ نے عیسائیوں کو بلا کر کابل میں بسا دیا تھا۔ ہندو اور عیسائی دونوں اطمینان کے ساتھ افغانستان میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اس کی تصدیق ۱۷۸۳ء میں جارج فوسٹر نے کی تھی۔

احمد شاہ کے متعلق ایک اور انگریز مصنف فیریر لکھتا ہے۔ "مشرقی ممالک کی بہت سی خرابیوں سے احمد شاہ مبرا تھا۔ شراب نوشی، افیون وغیرہ سے اجتناب کلّی کرتا تھا۔ لالچ اور منافقانہ حرکتوں سے پاک تھا۔ مذہب کا سخت پابند تھا۔ اس کی سادہ لیکن باوقار عادتیں اس کو ہر دلعزیز بنا دیتی تھیں۔ اس تک پہنچنا آسان تھا۔ وہ انصاف کا خاص خیال رکھتا تھا۔ کبھی کسی نے اس کے فیصلے کی شکایت نہیں کی"[۲]

احمد شاہ کے انہی ذاتی اوصاف اور اس کی غیر معمولی سیاسی وجنگی صلاحیتوں کی وجہ سے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس سے مرہٹوں کی قوت کے استیصال کے لئے مدد چاہی، جس کے نتیجے میں تیسری جنگ پانی پت ہوئی۔ اور جہاں تک شمالی ہندوستان کا تعلق ہے مرہٹوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی[۳]

---

[۱] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات

[۲] " " " "

[۳] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد نظامی میں ایک طویل خط احمد شاہ ابدالی کے نام ہے جس میں بڑی تفصیل سے ہندوستان کے اس وقت کے حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کی حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔ دریں زمانہ بادشاہے کہ صاحب اقتدار وشوکت باشد وقادر بر شکستِ لشکر کفار ودور اندیش، جنگ آزما، جز ملازمان آنحضرت موجود نیست لاجرم برآں حضرت فرض عین است قصدِ ہندوستان کردن وتسلط کفار مرہٹہ برہم زدن وضعفائے مسلمین را کہ در دستِ کفار اسیر اند، خلاص فرمودہ

مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی تصنیف "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کو دیکھا، اور آپ نے انہیں پشتو زبان سیکھنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے نیچے حاشیے میں یوں مرقوم ہے۔ "اس کی روح یہ ہے ان کو پشتونوں کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ اپنی کتاب خیر کثیر میں صفحہ ۱۳ میں لکھ چکے ہیں کہ حکومت چلانے کی استعداد مسلمانان ہند سے افاغنہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے اس سے ان کی مراد جنگی طاقت ہے۔ جس قوم سے لڑنے مرنے کی طاقت سلب کر لی گئی ہو، وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔"

شاہ ولی اللہ نے ایک طرف تو افغانوں کی اس فنی طاقت کو مغلوں کے روایتی تخت و تاج کا حلیف بنانا چاہا، اور اسی سلسلے میں دوسری طرف ان کا ہاتھ مدد کے لئے روہیلوں کی طرف بڑھا۔ روہیلوں کا سردار اس وقت نجیب الدولہ تھا۔ خلیق احمد نظامی کے مرتبہ سیاسی مکتوبات[1] میں نجیب الدولہ کے نام کئی خط ہیں۔ اسے شاہ صاحب امیر المجاہدین امیر الغزاۃ، رئیس المجاہدین اور منبع الحسنات جیسے باعزت القاب سے خطاب فرماتے ہیں۔ "نجیب الدولہ پشاور سے ۲۵ کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں منزی میں پیدا ہوا تھا۔ تلاش معاش میں دوآب کے علاقے میں آ گیا۔ اللہ نے اسے بے پناہ صلاحیتیں دی تھیں ..... ۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۰ء تک وہ دہلی کی سب سے بڑی شخصیت تھا۔ تمام سیاست اس کے گرد گھومتی تھی ..... سر جدوناتھ سرکار نے لکھا ہے۔ "ایک مورخ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی کس خوبی کی سب سے زیادہ تعریف کرے۔ میدان جنگ میں اس کی حیرت انگیز قیادت کی، یا مشکلات میں اس کی تیز نگاہی اور صحیح رائے کی، یا اس کی اس فطری صلاحیت کی، جو اس کو انتشار اور ابتری میں ایسی راہ دکھا دیتی تھی جس سے نتیجہ اس کے موافق نکل آتا تھا۔" نجیب الدولہ انتہائی قوی دماغ اور مذہبی جذبہ رکھنے والا انسان تھا ... اس نے مغلیہ سلطنت کو بچانے کے لئے وہی سب کچھ کیا، جو سلجوقیوں نے خلفائے عباس کے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے کیا تھا۔"

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات

نجیب الدولہ بڑا مذہبی اور علم دوست ہونے کے باوجود نہایت غیر متعصب تھا۔ اس بارے میں جدوناتھ سرکار لکھتا ہے :۔ نجیب الدولہ نے ۳۱ اکتوبر ۱۷۷۰ء کو انتقال کیا۔ اس کی عدل گستری اور بالغ نظری کا یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا کہ وہ جس وقت بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا، تو اس نے اپنی فوجوں کو (جو اس کے ساتھ ہاپوڑ کے مقام پر تھیں اور گڑھ کا میلہ ہو رہا تھا) حکم دیا کہ گنگا کے میلے پر آنے جانے والے ہندو یاتریوں کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے [1]

شاہ صاحب ایک خط میں نجیب الدولہ کو لکھتے ہیں :۔ "پردۂ غیب میں مرہٹہ اور جٹ کا استیصال مقرر ہو گیا ہے۔ بس وقت پر موقوف ہے، جونہی کہ اللہ کے بندے کمر ہمت باندھیں گے، طلسم باطل ٹوٹ جائیگا۔ ایک بات اور کہنی ہے وہ یہ کہ جب افواج شاہیہ کا گزر دہلی میں واقع ہوا تو اس وقت اہتمام کلی کرنا چاہیئے کہ دہلی سابق کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے۔ دہلی والے کئی مرتبہ اپنے مالوں کی لوٹ اور اپنی عزت کی توہین اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں، اسی وجہ سے کارہائے مطلوبہ کے حصول میں تاخیر ہو رہی ہے۔"

اسی خط میں تاکید فرمائی ہے کہ "کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں، ہرگز تعرض نہ کرے۔"

ایک اور خط جو شاید محاربۂ پانی پت سے بعد کا ہے۔ اس میں شاہ صاحب نجیب الدولہ کو جاٹوں سے لڑنے کی یوں تاکید فرماتے ہیں :۔ "میرے عزیز جاٹوں پر فتح غیب الغیب میں مقرر ہو چکی ہے۔ اس بارے میں کوئی اندیشہ دل میں نہیں ہونا چاہیئے۔ انشاء اللہ مرہٹوں کی طرح جونہی کہ مقابلہ ہوگا، یہ طلسم ٹوٹ جائے گا۔ اگر مسلمانوں کی ایک جماعت[2] جاٹوں کے ساتھ ہے، تو اس کا کوئی خیال نہ فرمائیں۔ مجھے امید ہے کہ بجز اس کے ظاہر میں دشمنوں کی کثرت نظر آئے، اور کوئی تشویش پیش نہ آئے گی ..... اگر بعض ایسے مسلمان جن کی اعلائے دین محمدی کے سلسلے میں نیت کمزور ہے سیلے چوڑے خطرے سامنے لاکر پیش کریں، تو ان کی بھی نہ سننی چاہیئے۔"

ایک اور خط کا متن یہ ہے، :۔ اللہ تعالیٰ آں راس المجاہدین، رئیس الغزاۃ، امیر الامراء

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد نظامی

[2] اودھ کے صفدر جنگ نے جاٹوں سے ساز باز کر لیا تھا۔

کو مسند عزت پر برقرار رکھ کر طرح طرح کی بھلائیاں ظہور میں لائے۔ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ۔ جو کچھ معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ اس دور میں تائید ملتِ اسلامیہ دامت مرحومہ آپ (جو کہ مصدرِ خیر ہیں) کے پردے میں ظہور کر رہی ہے۔ کسی طرح کا وسوسہ قلب گرامی میں نہ آنے پائے تمام کام انشاء اللہ تعالیٰ دوستوں کی مراد کے مطابق ہوں گے۔ اور تمام دشمن غلبۂ قہر الٰہی سے پامال ہو جائیں گے۔"[1]

روہیلے اس عہد کی ایک بڑی طاقت تھے۔ اور پورا روہیل کھنڈ ان کا مستقل مستقر و وطن تھا۔ ایک وقت میں تو جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، ان کے سردار نجیب الدولہ مغلوں کے تختِ دہلی کے محافظ و منصرم بن گئے تھے۔ غرض اس دور میں روہیلے اسی طرح کی ایک "صاحب وطن" اور "صاحب زمین" عوامی طاقت تھے، جیسے کہ مرہٹے، جاٹ اور سکھ تھے۔[2] شاہ ولی اللہ صاحب کا اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے ان سے تعلقات قائم کرنا اس زمانے کے لحاظ سے بالکل بجا تھا۔ روہیلے ایک کثیر التعداد قوم[3] تھی، وہ بہادر اور جنگ جو تھے، پھر ان میں مذہبی حمیت بہت زیادہ تھی۔ اور بوقت ضرورت ماورائے دریائے سندھ سے ان کو مزید کمک بھی مل سکتی تھی۔[4] لیکن بدقسمتی سے نجیب الدولہ کے بعد ان میں کوئی مرکزی قیادت نہ رہی اور وہ خود آپس میں لڑنے لگے۔ پھر اودھ کے شجاع الدولہ اور انگریزوں کی متحدہ یورش نے روہیلوں کا زور توڑ دیا، اور وہ بطور ایک قومی

---

[1] یہ سب اقتباسات خلیق احمد نظامی صاحب کے مرتبہ "مکتوبات سیاسی" کے اردو ترجمے سے ہیں۔

[2] روہیلوں کی اجتماعی طاقت ختم ہونے پر ان کے بچے کھچے افراد کی بدولت رامپور، ٹونک، بھوپال اور جاورہ کی ریاستیں وجود میں آئی تھیں۔

[3] علامہ محسن البہاری "الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں :۔ (ترجمہ) جب احمد شاہ ابدالی کا تسلط دہلی پر ہو گیا اور دہلی کی گلیوں میں بکثرت ان کی قوم کے لوگ بھر گئے۔ اور یہ لوگ قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں تھے (تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ۔ مولانا مناظر احسن گیلانی)

[4] مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں :۔ جب ہلکر نے انگریزوں سے سمجھوتہ کر لیا تو امیر خاں نے اس صلح نامہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ میں کابل جا کر شاہ شجاع کو ساتھ لاؤں گا وہ نہ آئے گا تو اپنے ہم قوموں کا لشکر بھرتی کروں گا۔ اور انگریزوں سے لڑوں گا۔"

(سید احمد شہید)

جمعیت کے سیاسی لحاظ سے اسی طرح ختم ہو گئے، جیسے مرہٹے اور سکھ۔ اگر روہیلوں کی جمعیت قائم رہتی۔ اور نجیب الدولہ جیسی قیادت کا سلسلہ اور آگے چلتا، تو شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادہ علمی کے سیاسی افکار کی نشوونما کو بے شک ایک موزوں زمین، بڑی سازگار آب و ہوا اور ایک صاحب صلاحیت قوم مل جاتی۔ لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ است۔

شاہ ولی اللہ کے بعد اسی سلسلے کے ایک نامور بزرگ حضرت سید احمد شہید نے بھی ایک اور روہیلے سردار امیر خاں سے اسی قسم کی توقع قائم کی تھی۔ چنانچہ وہ "یہ نصب العین لے کر امیر خاں کے پاس گئے تھے کہ اس عظیم الشان آزاد قوت کو صحیح راستوں پر لگا دیں۔ اس سے آزادی وطن اور احیائے اسلام کا کام لیں[1]"۔ لیکن یہ مراد بھی بر نہ آسکی، نواب امیر خاں کو بھی انگریزوں سے مفاہمت کرنی پڑی۔

احمد شاہ ابدالی کے بعد اس کے جانشین کسی قابل نہ ہوئے اور وہ آپس میں لڑتے رہے یہی حال روہیلوں کا تھا۔ اور ان سب کو مقابلہ کرنا پڑا آخر میں ایک ایسی قوم سے، جس کا سیاسی سماجی نظام ان کے سیاسی و سماجی نظام سے بہتر تھا۔ اس میں بالکل ایک نئی قسم کی تنظیم تھی۔ اس کے اسلحہ اور طریقہ جنگ ان سے اعلیٰ تھا۔ اور پھر یہ کہ اس میں باہم پھوٹ پڑنے، اس کے سرداروں کے باہم لڑ جانے یا ان کے ہیئت حاکمہ کے خلاف ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ افغان اور روہیلے اپنی تمام بہادری، جوش ایمانی اور جرأت و حمیت کے ایک زوال پذیر جاگیرداری دور کے نمائندے تھے، جسے آخرکار مٹنا ہی تھا، اور یہ قوم نئی قوتوں سے بھرپور، ایک ترقی خواہ اور قدم آگے بڑھانے والے ایک صنعتی نظام کی کل پرزہ تھی جو یورپ سے نکل کر ساری دنیا پر چھا جانے والا تھا۔

---

[1] سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر۔ اسی کتاب میں ہے:۔ "ایک انگریز مورخ نے خود نواب کے بیان کی بنا پر لکھا ہے کہ ۱۸۱۴ء میں اس کے پاس پچاس ہزار سوار، بارہ ہزار پیادے اور بھاری توپ خانہ تھا (تاریخ ہندوستان مصنفہ ال وداس جلد ہشتم ص۹۲۳) ایک اور مصنف نے لکھا ہے۔ امیر خاں ایک قابل قائد اور بہادر سپاہی تھا۔ اس کی فوج نہایت اسلح تھی۔ اور ہندوستان کی تمام ریاستی فوجوں میں سے بہترین ساز و سامان والی فوج سمجھی جاتی تھی۔
(لارڈ ہیسٹنگز اور ہندوستانی ریاستیں مصنفہ موہن سنہا مہتہ ص۱۱)

یہ سب کچھ صحیح، لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانے میں مسلمان جن سنگین حالات میں گھرے ہوئے تھے اور ان کے سامنے زندگی اور موت کا سوال جس طرح کی نازک صورت اختیار کر چکا تھا، اس میں خلیق احمد نظامی کے الفاظ میں "شاہ صاحب کی بالغ نظری، سیاسی بصیرت اور حقائق شناسی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دو ایسی عظیم المرتبت شخصیتوں کو ایک جگہ جمع کر دیا جن کو بیسویں صدی کا ایک مشہور مورخ (سر جدوناتھ سرکار) اٹھارویں صدی کی سب سے زیادہ قابل شخصیتیں سمجھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی سیاست عملی، یہ تو ایک باب ہوا، آئندہ ان کی سیاست نظری پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

اسلامی تاریخ کے پہلے ہزار سال میں ترقی کے کئی راستے تھے۔ اور امام ولی اللہ کے بزرگ بھی ان طرق میں سے ایک طریقے پر عامل تھے۔ دوسرے ہزار سال (الف ثانی) میں جس کی ابتدا ہندوستان میں اکبر کی حکومت سے ہوئی اور امام ربانی مجدد الف ثانی اس تجدید کا اساس رکھنے والے تھے، اس تجدید کی تکمیل کرنے والے امام ولی اللہ دہلوی ہیں۔ اور اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ نے صرف ان کو منتخب فرمایا۔

امام ولی اللہ کے سیاسی فکر اور ان کی بتائی ہوئی راہ عمل کی اصابت اور ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ سلطان محی الدین احمد اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد جب اسلامی سلطنت میں زوال شروع ہوا۔ اور اس ملک پر یورپی طاقتوں کے غلبہ کی ابتدا ہوئی۔ تو عین اس وقت شاہ صاحب اپنی سیاسی تحریک کی بنیاد رکھتے ہیں۔ وہ اس نئے سیاسی نظام کی ضرورت بھی بتاتے ہیں۔ اور اس کے لئے سائنٹفک یعنی حکیمانہ اساس بھی وضع کرتے ہیں۔ چنانچہ شاہ صاحب ہمارے ملک کی سیاسی زندگی کا رشتہ کہیں ٹوٹنے نہیں دیتے۔ اور وہ ایک آزاد ہندوستانی حکومت کی شکست کے ساتھ ہی دوسرے سیاسی نظام کا نعم البدل پیش کرتے ہیں۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ پہلے تو یورپ کی سیاست کو سمجھو پھر امام ولی اللہ کی حکمت کا عمیق مطالعہ کرو۔ اس طرح تم ایک طرف یورپ کو جان لوگے اور دوسری طرف ہندوستان کی سیاست کو سمجھ جاؤ گے۔ (ماخوذ از خطبہ مولانا سندھیؒ۔ یہ خطبہ جمعیت الطلبہ سندھ کے اجلاس منعقدہ حیدرآباد ۱۷ اپریل ۱۹۴۴ء میں مولانا مرحوم نے دیا تھا۔)